قندیل بدر
اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اردو،سردار بہادر خان ویمن یونیورسٹی،کوئٹہ

اردو کے پاکستانی زبانوں سے لسانی روابط
(براہوئی، بلوچی، پشتو، پنجابی، سندھی)

Qandeel Badar

Assistant Professor, Department of Urdu, Sardar Bahadur Khan Women University, Quetta.

Linguistic Links of Urdu with Pakistani Languages

(Pashto, Balochi, Brahvi, Panjabi, and Sindhi)

In this article, after a brief discussion on unique structure of Urdu language, its role in the formation of Pakistan with the reference of its historical background has been understood. Along with that, a comprehensive comment has also been made on the linguistic, historical, social and literary links of Urdu with all important and representative languages of all the provinces of Pakistan e.g. Pashto, Balochi, Brahvi, Panjabi, and Sindhi. In this regard, all linguistic theories which were based on the relationship of Urdu and all these Pakistani regional languages have been studied with a new and fresh prospect. The mutual effects of Urdu literature and literature of these regional languages on each other have also been reviewed. Thus, after compilation of all concrete information results have been extracted.

Key Words: *Urdu, Language, Linguistics, Pakistan, Provinces Pashtu, Balochi, Brahvi, Punjabi, Sindhi, Linguistic, Theories, Regional, Literature.*

اردو اپنی ساخت اور منفرد خصوصیات کے اعتبار سے دنیا کی چند اہم زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔اس کے انوکھے مزاج نے ماہرین السنہ کو حیران کر رکھا ہے۔ جذب و قبول کی جو صلاحیت اس زبان میں موجود ہے اس سے دنیا کی اکثر زندہ اور مقبول زبانیں بھی محروم دکھائی دیتی ہیں۔ بہت سی اہم زبانوں سے اخذ و استفادہ کے ذریعے اس نے اپنے نقش و نگار بنائے اور سنوارے ہیں اور اپنے مزاج میں تبدیلی کے بغیر ان اثرات کو اپنے دامن میں سمویا ہے۔ لیکن تقلید اور تتبع کا یہ تعلق صرف ظاہر تک محدود ہے اس کے باطن کا حصہ نہیں۔ اردو اپنے باطنی محاسن کے لحاظ سے ایک علیحدہ، مستقل اور ممتاز حیثیت کی

حامل ہے لیکن بہ ہر حال اس کی صورت و سیرت تعجب خیز ضرور ہے۔ علمائے لسان نے زبانوں کو ان کی ساخت و پرداخت کے اعتبار سے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہند یورپی، سامی اور تورانی۔ اردو اپنے عمومی ڈھانچے کے لحاظ سے ہند یورپی گروہ میں شامل ہے۔ لیکن یہ دنیا کی ان چند زبانوں میں سے ایک ہے جس پر ان تینوں گروہوں کی اہم زبانوں کے اثرات ثبت ہوئے ہیں۔ پہلے خاندان کی زبانوں میں سے فارسی، ہندوستان کی اکثر زبانیں اور انگریزی کے اثرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دوسرے خاندان میں عربی اور تیسرے میں ترکی، وہ زبانیں ہیں جن کے ہمہ گیر اثرات سے اردو اپنا دامن نہیں بچا سکی۔ ہمارے لسانی محققین نے اردو کے جائے مولد کے اعتبار سے کئی خطوں کا اور پرورش کے حوالے سے کئی زبانوں کا نام لیا ہے۔ جن میں برج بھاشا، قنوجی، پالی، ہریانی، کھڑی، گجراتی، دراوڑی، راجستھانی، بنگالی، عربی، فارسی، سنسکرت، ترکی، ملتانی، پنجابی، سندھی، کشمیری، پشتو، بلوچی اور براہوئی قابل ذکر ہیں۔ اردو نے ان زبانوں سے اور کچھ لیا ہو یا نہ لیا ہو لیکن ان کا لفظی سرمایہ کسی نہ کسی مقداری تناسب میں اردو کا حصہ ضرور بنا ہے۔

ماہرین السنہ نے جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ کسی زبان کی پیدائش سے لے کر اس کی نشو و ارتقا تک کے مراحل طے کرنے کے لیے ہزارہا سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اردو کے لسانی ماہرین بھی اس زبان کے ابتدائی آثار کی تلاش میں ہزاروں سال پیچھے کا سفر طے کر چکے ہیں۔ یقیناً اردو کا بیج بھی از منہ ء قدیم ہی میں پڑا ہو گا لیکن موجودہ اردو کے خدوخال اور نقش و نگار ابھرے ابھی ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اردو کسی مخصوص نسل یا قوم یا جغرافیائی حدود کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ وہ زبان ہے جس کے مختلف نقوش مختلف خطوں میں، ان خطوں کی مقامی بولیوں کے زیر اثر ایک ساتھ ابھرے۔ مذاہب اور رنگ و نسل کی تخصیص کے بغیر اور مادری زبانوں کے افتراق کے باوجود، اردو سب کی دل عزیز ٹھہری اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے برصغیر کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ اس زبان نے انتہائی قلیل مدت میں نہ صرف علمی اور ادبی حیثیت حاصل کر لی بلکہ جلد ہی اس پورے خطے کی لینگوا فرینکا کا درجہ بھی حاصل کر لیا۔ خلیل صدیقی نے اس سلسلے میں تاریخی حوالوں سے تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ”جنوبی ایشیا کی لسانی تاریخ میں ایک بات نمایاں نظر آتی ہے اور اکثر دانشور اور ماہرین لسانیات نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ اکثر ادوار میں کوئی نہ کوئی زبان بہت سے علاقوں میں ثانوی زبان کی حیثیت سے سمجھی اور بولی جاتی رہی ہے اور ایک طرح کی مشترکہ زبان یا لنگوا فرینکا کا حق ادا کرتی رہی ہے۔ اس کی حیثیت نسلی، گروہی یا علاقائی نہیں رہی، اس کی بدولت مختلف پڑوسی معاشروں اور تہذیبی اکائیوں میں ذہنی اور عقائدی ہم آہنگی بھی پیدا ہوتی رہی اور کاروباری تقاضے بھی پورے ہوتے رہے۔“ (۱)

بولیاں علمی اور ادبی استعداد پیدا کر لینے پر زبان کا درجہ پا لیتی ہیں لیکن رابطے کی زبان کا درجہ حاصل کر لینا صرف چند ہی زبانوں کے حصے میں آتا ہے اور اردو ان چند خوش نصیب زبانوں میں سے ایک ہے۔ چوں کہ ہند و پاک میں رہنے والی تمام اقوام نے باہیں کھول کر اس کا خیر مقدم کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ خیر سگالی اور محبت کے ان جذبات نے اسے نہ صرف

برصغیر کی بڑی زبان بنا دیا بلکہ بہت جلد بین الاقوامی زبان کے مرتبے پر بھی فائز کر دیا۔ لسانی ماہرین نے شعوری کوشش کے تحت ایک مخلوط زبان تیار کی تھی جس کا نام "اسپرانتو" رکھا تھا لیکن اس زبان کو رائج کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔ اگر ہم توجہ کریں تو اردو بھی اسپرانتو کی طرح ایک مخلوط زبان ہے لیکن فرق یہ ہے کہ یہ ایک خود رو زبان ہے جو فطری عمل سے پیدا ہوئی، خود بہ خود رائج اور مقبول ہوئی اور روز افزوں ترقی بھی کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو کام اسپرانتو سے نہ لیا جا سکا وہ یہ پورا کر دے اور پوری دنیا میں رابطے کی بنیاد بن جائے۔

اردو زبان کی تیز رفتار ترقی نے سب سے پہلے انگریزوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ ۱۸۰۱ میں فورٹ ولیم کالج میں شعبہء اردو کا قیام اس کی اولین کامیابی تھی۔ ۱۸۳۲ء میں انگریزوں نے فارسی زبان کو سرکاری حیثیت سے خارج کیا تو اس کی جگہ اردو زبان کو ذریعہ تعلیم اور سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر نافذ کر دیا لیکن انہیں جلد ہی انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چناں چہ ۱۸۳۵ء میں اس کی یہ حیثیت ختم کر دی گئی اور یہ جگہ انگریزی کو عطا ہو گئی۔ اس کے بعد سے قیام پاکستان تک اردو کے خلاف محاذ سرگرم رہا۔ قیام پاکستان کے پس منظر میں جہاں بہت سی مذہبی، سیاسی اور سماجی ضرورتیں کار فرما تھیں وہاں زبان بھی اس تحریک کا ایک اہم عنصر تھی۔ دو قومی نظریے کے ساتھ ساتھ، ہندی اردو تنازعہ بھی اس تحریک کا اہم محرک ثابت ہوا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے کانگریس کے ایک قومی نظریے سے بے سبب اختلاف نہیں کیا تھا وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اس ایک قومی نظریے کو تسلیم کر لیا تو اقلیت ہونے کی بنا پر وہ ہندو اکثریت میں گم ہو جائیں گے اور ان کا انفرادی وجود ختم ہو جائے گا ان کا مذہب، تہذیب، علوم و فنون اور ان کی زبان ایک ایک کر کے تباہ ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کا زیادہ تر تہذیبی، مذہبی، علمی اور ادبی سرمایہ اسی اردو زبان میں محفوظ تھا، اس لیے مسلمان سمجھ گئے کہ کانگریس اردو ختم کرنے کے بہانے ان کو ان کے علمی اور ادبی سرمایے سے محروم کر دینا چاہتی ہے۔ اردو کو مسلمانوں کے مزاج میں غیر معمولی دخل حاصل تھا یہی زبان ان کی معاشی اور سیاسی ضرورتوں کی ترجمان تھی، ان کے اخبار اسی زبان میں نکلتے اور دوسروں تک ان کی آواز کو پہنچاتے تھے۔ اس سے کٹ کر اب مسلمان اپنی قومی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پاکستان کے نام سے ایک ایسے آزاد علاقے کا مطالبہ کیا جس میں ان کی وہ زبان زندہ رہ سکے جو ان کی قومی، مذہبی، علمی اور ادبی قدروں کی محافظ اور ضامن ہو۔ چوں کہ تحریکِ پاکستان میں اس زبان نے نہایت اہم کردار ادا کیا تھا یہی وجہ تھی کہ قائد اعظم اس کی اہمیت سے واقف تھے۔ قائد کی مادری زبان اردو نہ تھی لیکن وہ جانتے تھے کہ پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لیے اردو کا نفاذ ضروری ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہایت وثوق کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہو گی۔ قائد اعظم کا خیال درست ثابت ہوا کیوں کہ قومی زبان میں جن خصوصیات کا ہونا از بس لازم ہے وہ اردو میں بہ درجہ اتم موجود تھیں پاکستان میں اردو کے علاوہ کئی اہم علاقائی زبانیں وجود رکھتی ہیں جن میں پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوئی، سرائیکی، کشمیری، پوٹھوہاری، ہندکو، فارسی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ سب زبانیں اپنا خاص ثقافتی اور ادبی سرمایہ رکھتی ہیں ان کی انفرادیت اور علاقائی اہمیت سے انکار ممکن نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کا حلقہ محدود ہے اس لیے دوسرے

خطوں میں جا کر بے اثر ہو جاتی ہیں لیکن اردو ایک ہمہ گیر زبان ہے جو خطوں کو جوڑنے کا کام بہ خوبی سر انجام دے سکتی ہے۔ سید مظہر جمیل نے لکھا ہے:

> ''اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے درمیان مؤدت و محبت کا رشتہ قیام پاکستان کے نتیجے میں قائم نہیں ہوا ہے بلکہ اس رشتے کی بنیادیں صدیوں پرانی ہیں۔ اگر آپ تاریخ میں بہت دور تک تعاقب نہ بھی کرنا چاہیں اور دریائے سندھ کی اس فطری نسبت سے بھی صرف نگاہ کر لیں جس کے تحت اس عظیم دریا نے پاکستان میں شامل موجودہ علاقوں کو نا معلوم وقتوں سے معاشی، معاشرتی اور تہذیبی لحاظ سے باہم دیگر مربوط کر رکھا ہے اور اگر ہم اس علاقے میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہونے والے اس عظیم اختلاط کو بھی نظر انداز کر دیں جس نے کشمیر سے لے کر بحر عرب تک کے درمیانی علاقوں میں بولی جانے والی سب زبانوں کو یکساں رسم الخط اور ایک جیسی طرز حسیت عطا کی ہے تو بھی کوئی تجزیہ کار چار پانچ سو برسوں پر محیط ایک ایسے ثقافتی دور سے ہر گز اجتناب نہیں برت سکتا جس میں اردو اور مقامی زبانوں کے درمیان ارتباط ،اختلاط اور باہمی لین دین کے کثیر شواہد ملتے ہیں۔'' (۲)

اردو ایک مخلوط زبان ہے۔ اس کی ابتدائے آفرینش سے اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہو رہے ہیں تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ پاکستان کی زبان بننے کے بعد اختلاط کا یہ سلسلہ رک جاتا۔ یہ سلسلہ یہاں کن کن سطحوں پر جاری رہا اس کا جائزہ لینے کے لیے پاکستان کی اہم زبانوں سے اردو کے لسانی، گروہی، تاریخی، علمی اور ادبی روابط پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ تاکہ اردو کی موجودہ صورت حال سے واقفیت حاصل ہو سکے۔ چند اہم پاکستانی زبانوں اور اردو کا تقابلی مطالعہ پیش خدمت ہے۔

بلوچستان کی دو اہم زبانوں براہوئی اور بلوچی کے اردو کے ساتھ لسانی روابط پر نظر ڈالنے سے پہلے بلوچستان میں اردو کا مختصر تاریخی جائزہ لیتے ہیں تاکہ اردو اور اس خطے کے مجموعی روابط سامنے آسکیں۔ اکثر محققین کے مطابق برصغیر میں اسلام سے روشناس ہونے والا پہلا خطہ یہی بلوچستان تھا۔ یہیں سب سے پہلے عربی اور ایرانی علماء و فضلاء، تاجر اور لشکروں کا رابطہ مقامی آبادی سے ہوا۔ عین ممکن ہے کہ اس اختلاط کے پیش نظر کسی نئی زبان کا ہیولیٰ یہاں تیار ہوا ہو۔ پروفیسر انور رومان اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ان ہی حقائق پر ''بلوچستان میں اردو'' کے بارے میں اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی ہے۔ البتہ اہل بلوچستان پہلی مرتبہ اردو سے اس وقت متعارف ہوئے جب ۱۸۶۲ میں حضرت سید احمد شہید سندھ سے ہوتے ہوئے یہاں سے گزرے۔ ان کے ساتھ پانچ چھ سو اردو بولنے والے غازی بھی تھے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہاں اردو کو رواج دیا۔ قریباً اسی دور کے ایک بلوچی شاعر '' ارنڈو خان نو تہانی'' کے بلوچی اشعار میں اردو مصرعے بھی دکھائی دیتے ہیں ۔۱۸۷۷ میں انگریزوں کا بلوچستان میں باقاعدہ تسلط ہوا اور اردو کو دفتری زبان کے طور پر رائج کیا گیا، بعد ازاں اردو نے یہاں

تعلیمی زبان کا درجہ بھی حاصل کر لیا۔ ملازمت کے سلسلے میں بہت سی نامور ادبی شخصیات بلوچستان میں قیام پذیر رہیں جنھوں نے یہاں کے ادبی حلقوں کو متاثر کیا۔

کوئٹہ اس صوبے کا مرکز ہے اور لسانی تنوع کا ایک دل چسپ منظر پیش کرتا ہے۔ یہاں بلوچی، براہوی، پشتو، فارسی، پنجابی، سرائیکی اور اردو بولنے والے باہم رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ایک ایسی اردو کے آثار ملنا شروع ہو گئے ہیں۔ جو دوسرے صوبوں کی اردو سے بالکل الگ ہے۔ پروفیسر شرافت عباس نے اپنے مقالے "کوئٹہ کی عوامی اردو" (مشمولہ پاکستان میں اردو، جلد ۲: بلوچستان) میں عوام الناس سے لے کر اساتذہ کی زبان تک کے ایسے نمونے پیش کیے ہیں نیز مقامی الفاظ سے اردو لغت میں تبدیلی کی طویل فہرست بھی پیش کی ہے۔ اس مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں اردو الفاظ کو نئے معنی پہنائے جا رہے ہیں۔ یہاں کی مقامی زبانوں کے بے تکلف لہجے اور الفاظ بڑی آسانی سے اردو میں سمو رہے ہیں۔ یعنی ایک نئی اردو تشکیل پا رہی ہے۔

براہوئی اور اردو کے لسانی روابط:

براہوی زبان قلات ڈویژن اور بلوچستان کے اس مستطیل علاقے میں جو شمال میں قدرے لمبا اور جنوب میں قدرے چھوٹا ہے، بولی جاتی ہے۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے اور دو حصوں سراوان اور جھالاوان پر مشتمل ہے۔ یہاں زمانہ قدیم سے قبائلی نظام رائج ہے۔ براہویوں سے متعلق کئی آراء ملتی ہیں کچھ کے مطابق یہ ایرانی النسل ہیں کچھ کے مطابق ٹرکو منگول، کرد اور کچھ انہیں بلوچوں کا طائفہ اول بھی بتاتے ہیں۔ جنھوں نے دراوڑوں کو مغلوب کیا لیکن ان کی تہذیب اور زبان اپنالی۔ البتہ اتنی بات سب مانتے ہیں کہ براہوی، دراوڑی زبان کی شاخ ہے کیوں کہ اس میں دیگر دراوڑی زبانوں تامل ،ملیالم، تلنگو وغیرہ جیسی بہت سی خصوصیات ملتی ہیں البتہ وقت کے ساتھ ساتھ اس نے عربی، فارسی، سندھی اور خاص کر بلوچی کے اثرات بہ کثرت سمیٹے ہیں۔ ڈاکٹر سیمی نغمانہ "بلوچستان کی لسانی وحدتیں" کے عنوان کے تحت لکھتی ہیں:

> "مختلف شعبوں کے محققین ماہرین نے وادی سندھ کی پوری آبادی پر جس طرح دراوڑی ہونے کا گمان کیا اسی نسبت سے لسانیات کے ماہرین کو براہوئی اور سندھی دونوں زبانوں پر دراوڑی رنگ نمایاں نظر آیا۔ اسی بنیاد پر یہ دعویٰ سامنے آیا کہ قدیم دور کے آریاؤں سے قبل وادی سندھ میں دراوڑ آباد تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس طرح پائیدار نقوش کسی زبان پر ثبت کرنے کے لیے صدیوں طویل مستحکم روابط ضروری ہوتے ہیں۔ سندھی اور براہوئی کے باہمی لسانی آثار ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں آبادیوں اور ان کی زبانوں کے روابط مدتوں تک کسی ایسی زبان سے رہے جو خود دراوڑی النسل تھی یا گہرے دراوڑی اثرات کی حامل تھی۔"(۳)

براہوی پاکستان کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے اور ساخت و بافت کے اعتبار سے جنوبی بھارت کی دراوڑالسنہ کے زمرے کی زبان ہے جو آریائی زبانوں کے صدیوں پرانے تسلط و تغلب کے باوجود ذرہ برابر تبدیل نہیں

ہوئی۔عبدالرحمٰن براہوئی نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ " براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ " کے نام سے تحریر کیا ہے۔اس میں انہوں نے اپنے نظریے کو یوں بیان کیا ہے:

> "اردو اور براہوی کا تعلق ازمنہ قدیم سے مانا گیا ہے لیکن بعد میں براہوی محدود ہو کر ایک مخصوص علاقے کی زبان بن گئی اور دونوں زبانیں ایک دوسرے سے دور ہوتی گئیں اگر (اردو سے متعلق) دراوڑی زبان والے نظریات کو تقویت ملی تو براہوئی اور اردو کا تعلق بہنوں کا سا ہو گا۔" (۴)

انہوں نے اپنے اس مقالے میں دونوں زبانوں کے اشتراکات پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔ مقالے کے باب ششم میں دونوں زبانوں کے صرفی اشتراکات اور باب ہفتم میں نحوی اشتراکات پر بحث شامل ہے۔باب ہفتم میں مفعول،اضافت کی قسمیں، تشبیہات، مرکب کی اقسام،جملوں کی اقسام میں اشتراکات تلاش کیے گیے ہیں۔باب ہشتم دونوں زبانوں کے یکساں محاورات اور ضرب الامثال کی طویل فہرست پیش کرتا ہے جب کہ باب نہم میں مشترک الفاظ کی فہرست شامل ہے۔یعنی یہ مقالہ ان دونوں زبانوں کے مضبوط لسانی روابط کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

براہوی پاکستان کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے اور ساخت و بافت کے اعتبار سے جنوبی بھارت کی دراوڑالسنہ کے زمرے کی زبان ہے جو آریائی زبانوں کے صدیوں پرانے تسلط و تغلب کے باوجود ذرہ برابر تبدیل نہیں ہوئی۔عبدالرحمٰن براہوئی نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ " براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ " کے نام سے تحریر کیا ہے۔اس میں انہوں نے اپنے نظریے کو یوں بیان کیا ہے:"اردو اور براہوی کا تعلق ازمنہ قدیم سے مانا گیا ہے لیکن بعد میں براہوی محدود ہو کر ایک مخصوص علاقے کی زبان بن گئی اور دونوں زبانیں ایک دوسرے سے دور ہوتی گئیں اگر (اردو سے متعلق) دراوڑی زبان والے نظریات کو تقویت ملی تو براہوئی اور اردو کا تعلق بہنوں کا سا ہو گا۔'انہوں نے اپنے اس مقالے میں دونوں زبانوں کے اشتراکات پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔ مقالے کے باب ششم میں دونوں زبانوں کے صرفی اشتراکات اور باب ہفتم میں نحوی اشتراکات پر بحث شامل ہے۔باب ہفتم میں مفعول،اضافت کی قسمیں، تشبیہات، مرکب کی اقسام،جملوں کی اقسام میں اشتراکات تلاش کیے گیے ہیں۔باب ہشتم دونوں زبانوں کے یکساں محاورات اور ضرب الامثال کی طویل فہرست پیش کرتا ہے جب کہ باب نہم میں مشترک الفاظ کی فہرست شامل ہے۔یعنی یہ مقالہ ان دونوں زبانوں کے مضبوط لسانی روابط کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

اردو انگریزوں کی آمد کے ساتھ بلوچستان پہنچی لیکن اسے دفتری زبان کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی بلکہ یہاں کے لوگوں نے باہمی روابط کے ذریعے اسے سیکھا۔ ملا محمد حسن براہوی کی شاعری اس کا منہ بولتا ثبوت ہے کیوں کہ کوئی بھی غیر زبان بولنے والا اس وقت تک اردو میں شاعری نہیں کر سکتا جب تک اس پر پورا عبور نہ رکھتا ہو۔ملا حسن یقیناً اس خطے میں اکلوتے اردو جاننے والے نہیں تھے۔یقیناً یہاں اردو جاننے والوں کا وسیع حلقہ موجود تھا مگر اس کے شواہد نہیں ملتے۔ ملا حسن براہوئی بلوچستان میں اب تک کی تحقیق کے مطابق اردو کے پہلے شاعر ہیں یوں اس خطے میں اردو شاعری کا سہرا براہوئی زبان

کے سر بند ھتا ہے۔ براہوی اور اردو کا رسم الخط تقریباً ایک ہے۔ دونوں کے حروف تہجی بھی سوائے تین نقطی 'ل' اور 'نڑ'، 'نگ'، 'لا' کے یہ براہوئی کی اضافی اصوات ہیں، مشترک ہیں۔ آج کل اردو کی دیکھا دیکھی افسانہ، ناول اور ڈرامہ کے ساتھ ساتھ جدید طرز کی نظمیں بھی براہوئی کا حصہ بن گئی ہیں۔ بین الاقوامی زبانوں بہ طور خاص انگریزی کے الفاظ اردو کے توسط سے ہی براہوئی میں داخل ہو رہے ہیں۔

بلوچی اور اردو کے لسانی روابط :

بلوچی کو فارسی کی مسخ شدہ شکل قرار دیا جاتا رہا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ البتہ بلوچی اور پہلوی (قدیم فارسی) کا ماخذ ضرور کوئی ایک ہی زبان ضرور ہے۔ بلوچی کی صوتیات اور صرف و نحو اپنی انفرادی خصوصیات رکھتی ہیں جن کی بنا پر اسے قدیم اور الگ زبان مانا جانا چاہیے۔ بلوچی کے چار مشہور لہجے ہیں۔ مری، رخشانی، مکرانی اور خاوری لیکن انہیں دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مشرقی اور مغربی۔ مشرقی بلوچی کوئٹہ، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان اور سندھ کے بلوچ قبائل میں بولی جاتی ہے۔ اس میں فارسی اور سندھی کے الفاظ کی کثرت ہے۔ مغربی بلوچی ایرانی بلوچستان کے علاوہ مکران، قلات، جھالاوان اور لسبیلہ میں بولی جاتی ہے۔ یہ افغانستان، ایران اور روس کے بلوچی علاقوں میں بھی بولی جاتی ہے اس پر فارسی کے ساتھ پشتو کا اثر بھی نمایاں ہے۔ مکران میں مکرانی (مغربی بلوچی) اور فارسی قدیم زمانے سے بولی جاتی رہیں۔ اصطخری، ابن حوقل، شریف الادریسی اور مارکوپولو کے بیانات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

بلوچی شاعری پر پہلا تحقیقی کام مستشرقین نے کیا۔ انہوں نے نہ صرف بلوچی اشعار کو یک جا کیا بلکہ مختلف متون اور تلفظ کا تقابلی مطالعہ اور محاکمہ بھی کیا اس طرح بلوچی کے لیے ابتدائی خدمات انہی کی رہین منت ہیں۔ بلوچی عروض پارسیوں کی دینی کتاب "اوستا" کی منظوم "گاتھاؤں" اور سنسکرت "چھندودیا" سے ملتا جلتا ہے جو رگ وید میں مستعمل ہے۔ موجودہ دور میں کہیں کہیں عربی عروض کی پابندی بھی دکھائی دیتی ہے جو اردو شاعری کی نسبت سے ہوا ہے لیکن زیادہ تر لوگ قدیم روش کے پابند ہیں۔ انیسویں صدی سے بلوچی شاعری میں قافیہ کا رواج بھی اردو کے زیر اثر ہوا۔ رند خاندان (۱۸۴۸۔۱۵۵۵ء) کے دور سے بلوچی شاعری کے آثار ملتے ہیں اور قیام پاکستان سے قبل بلوچی نثر کا آغاز بھی ہو جاتا ہے۔ قدیم بلوچی شاعری پر اردو کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تاریخ میں بلوچی اور اردو کا ابتدائی تعلق تو فارسی زبان ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اس کے علاوہ ان کے میل جول کے کوئی واضح ثبوت نہیں ملتے۔ البتہ ان کا دوسرا تعلق ان کا مشترک لسانی خاندان ٹھہرتا ہے۔ دونوں بہت سے مشترک خصائص کی بنا پر ایک ہی لسانی گروہ کی زبانیں ہیں۔ بلوچی اور اردو میں لسانی ارتباط کا باقاعدہ آغاز قیام پاکستان سے قبل ہو چکا تھا لیکن اس کو خاص فروغ قیام پاکستان کے بعد ہی ہوا۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں:

> "جب اردو بلوچوں میں رائج ہوئی تو انہوں نے اسے اپنی زبان کے مطابق ڈھالنا شروع کیا جس میں اردو کے تمام تذکیر و تانیث، تمام افعال، اسم و فاعل مذکر قرار پائے کیوں کہ بلوچی میں فارسی کی طرح دونوں جنسوں کے لیے ایک ہی فعل استعمال ہوتا ہے۔" (۵)

ان ہی کے بہ قول بلوچوں کا پڑھا لکھا طبقہ اردو سے متاثر شدہ بلوچی بولتا ہے لیکن دیہاتوں میں اب بھی بلوچی اپنی اصلی صورت میں موجود ہے۔ بلوچوں نے اردو کی علمی، ادبی، لسانی اور صحافتی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اکثر بلوچ اہل قلم اردو میں بھی لکھ رہے ہیں۔ اردو کی تمام شعری و نثری اصناف بلوچی ادب کا حصہ بن چکی ہیں حتیٰ کہ اردو بلوچی ریختہ کے تجربے بھی کیے گئے ہیں۔ بہت سی اردو کتب کے بلوچی میں اور بہت سی بلوچی کتب کے اردو میں تراجم سے اردو کا دامن وسیع ہوا ہے بلوچ قوم کی روایات اور تاریخوں کو اردو میں منتقل کر کے اردو دان طبقے کو ان سے متعارف کرایا گیا ہے۔ بلوچ اردو شعراء نے بلوچستان کے لینڈ اسکیپ کو، اپنے قبائلی طرز حیات، اپنے منفرد احساسات و جذبات اور بلوچی لفظیات سے اردو کا دامن وسیع کیا ہے۔ میر مٹھا خان مری کی ''بلوچی اردو لغت'' بھی ایک اہم اضافہ ہے۔

پشتو اور اردو کے لسانی روابط :

پشتون قوم کو ایک عرصے تک بنی اسرائیل سمجھا جاتا رہا۔ خود لفظ ''پشتو'' کے بارے میں محققین کی یہ رائے رہی کہ یہ عبرانی کے لفظ ''پاشت'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی تقسیم شدہ کے ہیں۔ گویا بنی اسرائیل کے وہ غلام قبائل جو بھاگ کر ان خطوں میں آبسے اور اپنی اصل سے کٹ گئے، پشتون کہلائے۔ لیکن جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ پشتون نسلاً آریہ ہیں اور ان کی پشتو زبان ایک خالص آریائی زبان ہے جو اصل آریائی زبان سے پیدا ہوئی۔

آریہ سے متعلق کئی آراء میں سے ایک یہ ہے کہ آریہ ایران اور افغانستان کے درمیاں کہیں مقیم ہوئے اس کے بعد تین بڑے گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک ایران میں رہ گیا جہاں آریک (آریاؤں کی اصل زبان) نے اوستا (ژند کی زبان) کی شکل اختیار کی، جو بعد میں پہلوی دور سے گزر کر موجودہ فارسی بنی۔ دوسرا گروہ درہ خیبر سے گزر کر برصغیر میں داخل ہوا۔ یہاں آریک قدیم سنسکرت (ویدوں کی زبان) بن گئی۔ اور جو قبائل کہیں نہیں گئے اور قدیم آریانا (موجودہ افغانستان) میں رہ گئے۔ ان کی آریک زبان نے، جو اوستا اور سنسکرت کی ملی جلی شکل تھی، پشتو کی شکل اختیار کر لی۔ سنسکرت اور اوستا میں بہت کم فرق ہے اور آریہ کی رہائش کا وہ مرکز جہاں یہ دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں وہ '' باختر'' بتایا جاتا ہے۔ آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے آریائی قبائل تین بڑے گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک ایرانی، دوسرا باختری یا بخٹی اور تیسرا ہندی۔ باختری / بخٹی کا حال مفصلاً رگ وید میں لکھا ہے، ان کو پکھت یا پکھتیا کہا گیا ہے اور اوستا میں بلخ کا نام بخدی لکھا ہے اور یہاں کے باشندوں کو بخت کہا گیا ہے۔ بخت کے لفظ پر غور کرنے سے پختون یا پشتون کی اصلیت سمجھ میں آتی ہے یعنی جو لوگ بلخ یا باختر کے گرد و نواح میں رہنے لگے ان کی زبان پشتو ٹھہری۔ یوں اردو اور پشتو کی اصل یہی آریائی زبان ہے۔ اور ان کا تعلق زبانوں کے ایک ہی خاندان سے ہے۔

پشتو اور اردو کے تعلق پر کام کرنے والے لسانی ماہرین کے مطابق اردو پر خارجی اثرات کے سلسلے میں محققین کا رویہ منصفانہ نہیں رہا۔ عربی فارسی اور ترکی کے اثرات کا ذکر تو تقریباً ہر محقق و ماہر لسانیات نے کیا ہے مگر پشتو کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے، حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ محمود غزنوی سے لے کر احمد شاہ ابدالی تک ہر فوج میں پشتون سپاہیوں کی اکثریت رہی ہے۔ غوری، لودھی، خلجی اور سوری سب پشتون تھے ان کی افواج بھی پشتونوں پر مشتمل تھیں بعد میں رام پور، شاہ جہاں پور،

روہیل کھنڈ، بھوپال اور دکن کی ریاستوں کے حکمران سب پشتون تھے لہٰذا پشتو کا اثر اردو پر یقینی ہے۔ امتیاز علی خان عرشی وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے اردو اور پشتو کے تعلق پر تحقیقی کتاب لکھی اور بڑی محنت سے اردو میں پشتو عناصر کو تلاش کیا۔ انہوں نے اردو اور پشتو سے متعلق اپنے نظریے کی بنیاد ان الفاظ پر رکھی:

> ''اردو زبان کی پیدائش کا سب سے بڑا سبب ہندوستان میں افغانیوں کی آمد تھی اور اس نئی زبان میں عام طور پر بولے جانے والے عربی، فارسی، ترکی اور مغلی الفاظ کا بڑا حصہ بھی افغانیوں ہی کی زبان اور انہی کی وساطت سے داخل ہوا ہے۔'' (۶)

ان کے نظریے کا لبِ لباب یہ ہے کہ اسلام کے بعد ہندوستان میں سب سے پہلے آنے والے یقیناً افغان تھے جو بادشاہوں، عالموں اور صوفیوں کی حیثیت سے وہاں گئے اس طرح فارسی زبان بھی انہی کی وساطت سے ہند میں پہنچی۔ اور اس نظریے میں مزید توسیع کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد خان خٹک رقم طراز ہیں:

> ''پشتو بادشاہوں کی زبان ہوتے ہوئے بھی ہند کی ادبی سرکاری یا تعلیمی زبان نہیں بن سکی اور بول چال تک محدود رہی مگر اس نے اردو زبان کی تشکیل میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ اردو کی ساخت پر تو اثر انداز نہیں ہو سکی مگر تذکیر و تانیث، محاورات، ضرب الامثال اور الفاظ کے معاملے میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔'' (۷)

پشتو نثر کا پہلا دستیاب نمونہ ''خیر البیان'' ہے جس کے مصنف بایزید انصاری ہیں یہ تصنیف اردو کے حوالے سے بھی خاص اہمیت کی حامل ہے ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخ ادب اردو'' میں لکھا ہے:

> ''اردو نثر کا قدیم ترین نمونہ ''خیر البیان'' مصنفہ بایزید انصاری (م۔ ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء) میں ملتا ہے ۔۔۔ اپنی اس تصنیف میں ایک ہی بات کو چار زبانوں میں لکھا ہے ۔ پہلے عربی میں، پھر فارسی میں، پھر پشتو میں اور اس کے بعد اردو میں۔۔۔ یہ نثر اپنی قدامت کی وجہ سے آج بھی لسانی نقطہ نظر سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔'' (۸)

دولت لوہانی پہلا پشتون شاعر ہے جس کے دیوان میں ایک ذوالسانی شعر ملتا ہے جس میں اردو اور پشتو کو بڑے خوب صورت انداز میں یک جا کیا گیا ہے۔ دولت کا زمانہ ۱۰۰۰ ھ کے قریب ہے۔ خوشحال خان خٹک (۱۶۱۳ء۔۱۶۸۹ء) پشتو زبان کا ایک عظیم شاعر ہے وہ فارسی اور عربی کے ساتھ ساتھ ہندی یعنی قدیم اردو سے بھی واقف تھا اس کی کلیات میں پشتو اور اردو کی ایک ذوالسان غزل ملتی ہے۔ اسی عہد میں پشتو کے ایک اور بہت بڑے صوفی شاعر رحمٰن بابا بھی گزرے ہیں ان کے دیوان میں بھی ایک اردو نما پشتو غزل ملتی ہے۔ احمد پراچہ لکھتے ہیں:

> ''خوشحال بابا اور رحمٰن بابا کی نیم اردو غزلوں کو ہم اردو شاعری میں کوئی مقام نہ بھی دیں تو بھی ان سے یہاں اردو شاعری کے آغاز کا رشتہ ضرور وابستہ ہے۔'' (۹)

اس کے بعد ۱۸۰۱ء میں قاسم علی خان فریدی کا دیوان منظر پر آتا ہے جس کے کلام میں فارسی اور پشتو کے ساتھ ساتھ اردو کا بھی خاصہ حصہ موجود ہے جو تقریباً دو سو غزلیات پر مشتمل ہے۔ ان کا تعلق کوہاٹ سے ہے۔ ۱۸۵۰ء میں صوبہ سرحد کا پورا علاقہ انگریزی علمداری میں شامل ہو چکا تھا یہی انگریز افسر اپنے ساتھ بہت سارے ملازم لائے تھے جن میں سے کچھ اردو کے بہت اچھے شاعر تھے انہوں نے یہاں پر اردو مشاعروں کا انعقاد شروع کیا جو یہاں اردو شاعری کے فروغ میں بہت اہم ثابت ہوا۔ ۱۹۵۲ء کے بعد یہاں کئی ادبی انجمنیں قائم ہوئیں جن سے اردو شعر و ادب کو تیز تر فروغ حاصل ہوا ۔ پاکستان میں پشتو کے اہم مراکز میں خیبر پختون خوا، بلوچستان کا مخصوص حصہ، سندھ میں کراچی اور پنجاب میں رحیم یار خان اور میانوالی کے علاقے بہ طور خاص شامل ہیں۔ پاکستانی پشتو ادب میں اب اردو کی بہت سی اصناف شامل ہو چکی ہیں بہت سے رسائل اور جرائد اردو کے فروغ میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا بھی اردو اور پشتو کے روابط کو مضبوط بنا رہا ہے۔ پروفیسر پریشان خٹک نے اردو اور پشتو کے تقریباً پانچ ہزار مشترک الفاظ پر مشتمل ایک طویل فہرست تیار کی ہے جسے مقتدرہ نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر خالد خٹک نے اپنے مقالے ''سندھی، پشتو اور اردو کے لسانی روابط'' میں ان تینوں زبانوں کے نسلی اشتراک، رسم الخطی اشتراک، صوتی اشتراک، صرفی و نحوی اشتراک، مشترک ضرب الامثال و محاورات، مشترک الفاظ، تہذیبی اور ثقافتی روابط پر الگ الگ ابواب قلم بند کیے ہیں اور دونوں زبانوں کے اٹوٹ رشتے کی وضاحت کی ہے۔

پنجابی اور اردو کے لسانی روابط :

سرزمین پنجاب کی زبان کو آج کل '' پنجابی'' کہا جاتا ہے لیکن یہ نام بہت بعد میں مروج ہوا ہے ابتداً اسے لاہوری ،ہندی اور ہندوی بھی کہا جاتا رہا۔ یاد رہے کے ہندی اور ہندوی کے نام سے اردو کے علاوہ ہندکو اور سرائیکی کو بھی منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ مشرقی پنجاب میں اسی پنجاب کو ماہرین کے مطابق ہریانوی کا نام بھی دیا گیا۔ پنجاب فارسی کے دو لفظ پنج اور آب کا مرکب ہے یعنی پانچ دریاؤں کی سرزمین۔ قیام پاکستان کے بعد پنجاب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا مغربی حصہ پاکستان میں جب کہ مشرقی حصہ بھارت میں شامل ہوا۔ دونوں جگہ پنجابی بولی جاتی ہے لیکن دونوں کے رسم الخط جدا جدا ہیں۔ اول الذکر پر عربی اور فارسی اور موخر الذکر پر سنسکرت کے اثرات نمایاں ہیں۔

مغربی مؤرخین نے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا، مشرقی حصے کی زبان کو پنجابی اور مغربی حصے کی زبان کو'' لہندا'' کہا۔ اہل پنجاب یہ تقسیم تسلیم نہیں کرتے اور ان دونوں زبانوں کو ایک ہی مانتے ہیں۔ پنجابی کی اصل کے بارے میں دو نظریے ملتے ہیں ایک کے مطابق یہ آریائی زبان ہے اور دوسرے کے مطابق دراوڑی البتہ زیادہ کا جھکاؤ اول الذکر نظریے کی جانب ہے۔ کچھ لوگوں کے مطابق پنجابی ایک قدیم زبان ہے اور کچھ اسے ساتویں آٹھویں صدی عیسوی کی زبان مانتے ہیں البتہ اس کی قدامت کے نقوش عدم دستیاب ہیں۔ اس کا ادب بھی بہت تاخیر سے سامنے آیا ہے کچھ محققین ہندکو اور سرائیکی کو بھی پنجابی کے لہجے تسلیم کرتے ہیں لیکن اکثر انہیں علیحدہ زبانیں قرار دیتے ہیں۔ اردو اور پنجابی کے گہرے لسانی اور تاریخی تعلق پر حافظ محمود شیرانی نے مفصل کتاب لکھی ہے اور تقابلی لسانیات پر اس سے بہتر کتاب آج تک نہیں لکھی جا سکی۔ اس

میں انہوں نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ اردو اور پنجابی ایک ہی زبان کے دو روپ ہیں۔ دونوں کی صرف و نحو میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے اور دونوں زبانوں میں ساٹھ فیصد سے زیادہ الفاظ مشترک ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔ ڈاکٹر مہر عبد الحق نے "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" کے نام سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے۔ جس میں شیرانی سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

> "محمود غزنوی کی آمد سے پہلے کے تین سو سالوں میں ملتانی زبان وجود میں آ چکی تھی۔ محمود غزنوی اور مابعد کے فاتحین عساکر یہی زبان لے کر لاہور اور پھر لاہور سے دہلی پہنچے چناں چہ دہلی اور اس کے گرد و نواح کی زبانوں پر پنجابی کے اور پنجابی پر ملتانی کے اثرات نہایت واضح اور نمایاں ہیں۔" (۱۰)

قدیم اردو اور پنجابی میں حیرت انگیز مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ گجرات اور دکن سے ملنے والے قدیم شعری نمونے صرف و نحو ذخیرۂ الفاظ اور لہجہ و آہنگ کے اعتبار سے ہو بہ ہو پنجابی معلوم ہوتے ہیں۔ اردو کی اولین مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کی بھی یہی صورت حال ہے۔ پنجابی کا یہ اثر صرف شاعری تک محدود نہیں بلکہ نثر میں بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ "سب رس" میں بھی پنجابی اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اردو اور پنجاب شروع ہی سے ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بہ قول:

> "اردو کو اہل پنجاب ہی نے اپنے سینے سے دودھ پلا کر پالا پوسا اور بڑا کیا ہے۔ اردو کی روایت اور تاریخ میں پنجاب اسی طرح شامل ہے جس طرح انسانی رگوں کے اندر دوڑتے ہوئے تازہ خون میں سرخ اور سفید جسیمے۔" (۱۱)

دہلی اور لکھنؤ کے بعد لاہور اردو شعر و ادب کا سب سے بڑا مرکز بنا۔ اہل پنجاب نے سب سے بڑھ چڑھ کر اردو کے فروغ میں حصہ لیا ہے۔ پنجاب اردو کی جنم بھومی ہو یا نہ ہو اس کا سب سے بڑا پالن ہار ضرور ہے۔ صوفی غلام مصطفی تبسم لکھتے ہیں:

> "پنجابی مصطلحات اور تلمیحات جو عرصے سے پنجابی کی ہی میراث سمجھی جاتی تھیں آج نہایت بے تکلفی کے ساتھ اردو ادب میں اپنائی جا رہی ہیں۔ نظموں، افسانوں اور ناولوں میں پنجابی لوک کرداروں کے نام، ضرب الامثال، کہاوتیں، شعر کثرت سے استعمال ہونے لگے ہیں بلکہ بعض مقامات میں پنجابی کردار اپنی بولی میں ہی بولتے سنائی دیتے ہیں اور پنجابی کے یہ پیوند اوپرے معلوم نہیں ہوتے۔" (۱۲)

سندھی اور اردو کے لسانی روابط :

سندھی زبان موجودہ سندھ کے علاوہ پنجاب کے ضلع رحیم یار خان بلوچستان کے بالائی حصے اور ہندوستان کے کچھ علاقوں میں خاص طور پر بولی جاتی ہے اس کے علاوہ دنیا میں جہاں کہیں سندھی رہتے ہیں وہ بھی اس زبان کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔اس زبان کے حسب ونسب سے متعلق کئی آراء ملتی ہیں۔

ا۔سندھی زبان سنسکرت سے نکلی ہے اور اس کی ایک شاخ ہے۔

۲۔سندھی صرف ونحو کے اعتبار سے سنسکرت سے نکلی تمام زبانوں سے خاصی مختلف ہے لہذا یہ سنسکرت کی شاخ نہیں ہو سکتی۔یہ اسی قدیم آریائی زبان سے نکلی ہے جس سے خود سنسکرت بھی نکلی ہے۔

۳۔ یہ سامی زبان ہے اور عرب ممالک کے اس خطے سے قدیم تعلقات نے اسے جنم دیا ہے ۔

۴۔قدیم سندھی سامی زبانوں کے خاندان ہی سے تھی موہن جودڑو کی مہروں پر دستیاب تحریر اس کا ثبوت ہے لیکن موجودہ سندھی آریائی زبان ہے۔

۵۔ قدیم سندھی دراوڑی زبان تھی کیو ں کہ آج بھی کچھ دراوڑی الفاظ بدلی ہوئی شکل میں سندھی میں موجود ہیں۔

لیکن ان تمام اختلافی آراء کے باوجود زیادہ تر محققین اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک آریائی زبان ہے جو عربی زبان کے زیر اثر سنوری اور نکھری ہے۔اردو اور سندھی کے ارتباط کی پہلی صورت یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق ہند آریائی خاندان سے ہے گریرسن انہیں ایک ہی زبان کی مختلف بولیاں قرار دیتا ہے۔ابتداً ان دونوں زبانوں میں بُعد نہیں تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اتنی دوری پیدا ہوئی کہ یہ دونوں بالکل علیحدہ علیحدہ زبانیں بن گئیں۔ان دونوں کے لسانی اشتراک کا سب سے اہم اور موثر سبب ان کا خاندانی تعلق ہے یہ اسی کا اثر ہے کہ ان کو اپنی اصل سے جدا ہوئے ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ان کے چہروں کی مشابہت پہلی نظر میں پہچانی جاتی ہے۔شرف الدین اصلاحی نے لکھا ہے:

> ''ان کی نحوی ساخت (تمام تر)، صرفی اور تشکیلی خصوصیات (کسی قدر) اور نظام اصوات (بیش تر) میں جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ خاندانی تعلق ہی کا نتیجہ ہے۔یہی نہیں ذخیرہ الفاظ کا ایک معتدبہ حصہ بھی انہیں برابر برابر جدی وراثت میں ملا ہے اگرچہ اس کا بڑا حصہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہے جو صوتی تغیرات کے ہاتھوں اپنی اصلیت محفوظ نہ رکھ سکے۔'' (۱۳)

دونوں زبانوں پر طویل عرصے تک اولاً عربی اور بعد ازاں فارسی زبان کے اثرات مرتب ہوتے رہے جن کے باعث دونوں زبانوں میں بہت سی مشترک خصوصیات پیدا ہوئیں۔سندھی زبان ۵۲ حروف تہجی پر مشتمل ہے۔جس میں سے ۳۳حروف بالکل اردو سے مشابہ ہیں۔ ۱۲اردو حروف سے صوتی مماثلت رکھتے ہیں لیکن ان کا املاء مختلف ہے۔اور باقی کے حروف سرائیکی اور پنجابی سے ملتے جلتے ہیں۔شرف الدین اصلاحی نے اپنے تحقیقی مقالے ''اردو سندھی کے لسانی روابط''میں ان دونوں کا تعلق واضح کرنے کے لیے آٹھ ابواب قلم بند کیے ہیں جو دونوں زبانوں کے لسانی اشتراکات سے مفصل بحث

کرتے ہیں۔باب دوم حروف و حرکات ،باب سوم صوتیات ،باب چہارم صوتی تغیرات،باب پنجم معنیات،باب ششم تشکیلات،باب ہفتم صرف،باب ہفتم نحو اور باب نہم ذخیرہ الفاظ کے اشتراکات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ دونوں زبانوں کا مختصراً تعلق یوں بیان کرتے ہیں:

> ''اردو اور سندھی برصغیر پاک و ہند کی دو ایسی زبانیں ہیں جن میں بہ ہمہ وجوہ لسانی اشتراکات و ارتباط پایا جاتا ہے ان کا صوتی نظام بڑی حد تک ہم آہنگ ہے ان کے قواعد (صرف و نحو) میں گہری مماثلت ہے ان کا ذخیرہ الفاظ اور ان کا معنوی خزانہ ملتا جلتا ہے اور ان کا رسم الخط ایک ہے ان کی ادبی روایات میں بھی یک رنگی پائی جاتی ہے۔'' (۱۴)

اردو اور سندھ کے تعلقات پر کئی محققین نے اپنے نظریات کی بنیاد رکھی ہے۔یہ نظریات ان دونوں زبانوں کے تاریخی تعلق پر بہ طور خاص مواد فراہم کرتے ہیں۔یہاں پر اردو کے اثرات سے متعلق ''تاریخ معصومی'' کی یہ عبارت قابل توجہ ہے کہ راجہ داہر کا باپ چچ، سندھی اور ہندی زبانوں کا ماہر تھا اس عبارت میں ہندی سے مراد اس دور کے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے جو بعد میں اردو کہلائی۔اس عبارت کی خاصیت یہ ہے کہ اس دور میں بھی سندھ کا ایک باشندہ ہندی زبان میں مہارت رکھتا تھا۔سندھی ادب و شعر کے نمونے عرب دور سے ہی ملنے لگے تھے جب کہ یہاں اردو شاعری کا آغاز تقریباً مغلیہ دور سے ہوتا ہے۔جس زمانے میں قلی قطب شاہ دکن میں اردو شاعری کر رہے تھے تقریباً اسی زمانے میں بکھر (سندھ) میں میر فاضل بکھری اردو شاعری کی بنیاد رکھ رہے تھے۔یہ تاریخ معصومی کے مصنف میر معصوم بکھری کے چھوٹے بھائی ہیں اور ان کے اردو کلام کی شہادت ''ذخیرۃ الخوانین'' سے ملتی ہے۔اس کے بعد یہاں اردو شاعری کے باقاعدہ نمونے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں:

> ''سندھ کی قدیم اردو شاعری پر ہندی اثر غالب ہے۔ہندی، سندھی اور سرائیکی کے الفاظ بھی ۔۔۔ملتے ہیں۔کچھ شعراء کے یہاں سندھی رنگ زیادہ ابھر آیا ہے۔گویا سندھ کی اردو شاعری کا اپنا مزاج تھا، اپنا لب و لہجہ تھا اور اپنا اسلوب بیان تھا اس میں تغزل بھی ہے لیکن تصوف کا رنگ نمایاں ہے۔'' (۱۵)

قیام پاکستان کے بعد دونوں زبانوں کا لسانی اشتراک وارتباط نئی توانائیوں کے ساتھ شروع ہوا۔اردو کو لینگوا فرینکا کی حیثیت حاصل تھی لہذا علاقائی زبانوں کا اس سے متاثر ہونا لازمی تھا چناں چہ سندھی زبان بھی ان اثرات سے اپنا دامن بچا نہیں سکی۔ دونوں زبانوں میں قربت کی دوسری بڑی وجہ یہ رہی کہ دونوں دین اسلام اور مسلم تہذیب وثقافت کی ترجمان ہیں۔ لہذا مذہبی قربت بھی لین دین کا خاص سبب بنی۔قیام پاکستان کے بعد انتقال آبادی کے سلسلے میں لاکھوں مسلمان جن کی مادری زبان اردو تھی ہجرت کر کے پاکستان خاص کر سندھ میں آباد ہوئے۔کراچی، حیدر آباد سمیت سندھ کے بڑے شہروں کی آبادی کا بڑا حصہ مہاجرین پر مشتمل ہے یہ مہاجرین اور سندھی بھائی ساتھ رہتے رہے ہیں اور ان میں رابطے کی زبان کا کام

اردو نے ہی سر انجام دیا ہے۔ اس لیے یہاں کا پڑھا لکھا سندھی تو اس طرح اردو بولتا ہے جیسے کہ یہ اس کی مادری زبان ہو لیکن دیہات میں اردو اس طرح رائج نہیں ہو سکی ہے بلکہ وہاں مقیم مہاجر سندھی بولنے لگے ہیں۔

کراچی علمی، ادبی اور صحافتی ہر اعتبار سے اردو کے بڑے مراکز میں سے ایک ہے جو اردو کی ترقی کے لیے کوشاں ہے یہاں ایسے سندھی ادیبوں کی کمی نہیں جو اردو میں بھی لکھتے ہیں۔ یہاں مشترکہ مشاعروں کا عرصے سے رواج رہا ہے جہاں اردو اور سندھی شاعر اپنے اپنے سامعین کو محظوظ کرتے ہیں۔ سندھی ادب کی تاریخیں، سندھی اردو لغت اور اردو سندھی لغت کے علاوہ سندھی ادب کے بہت سے تراجم سے اردو کا دامن وسیع کیا جارہا ہے اور بعض سندھی لفظ بھی اردو میں داخل ہو کر اس کا حصہ بن رہے ہیں۔

الغرض اردو اور ان زبانوں کے اشتراکات کے حوالے سے کئی اہم کتب اور مقالات لکھے جا چکے ہیں جو ان کے لسانی تعلق کو مکمل طور پر بیان کرتے ہیں۔ جن کا مکمل احاطہ اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں تھا البتہ اہم نکات تک رسائی کی عین ممکن کوشش کی گئی ہے۔ یہاں مختصراً ان زبانوں اور اردو کے تعلق کا مجموعی جائزہ لیتے ہیں۔ ان زبانوں میں براہوئی تورانی خاندان سے، سندھی، پنجابی، بلوچی اور پشتو ہند آریائی خاندان کی ایرانی شاخ سے اور اردو اسی خاندان کی ہندی شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ یوں اول الذکر کا تو گھرانہ ہی الگ ہے۔ اور اردو اور موخر الذکر چار زبانیں ایک گھرانے کی ہونے کے باوجود بھی دو مختلف شاخوں میں منقسم ہیں، یعنی لسانیات کی رو سے ان میں زیادہ قدر مشترک موجود نہیں ہے۔ اردو سمیت ان تمام زبانوں کو سامی اور دراوڑی کی نسبت سے تورانی گروہ میں شامل کرنے کی روش بھی عام رہی ہے۔ یعنی ساخت کے اعتبار سے یہ تمام زبانیں مختلف مزاج کی حامل ہیں البتہ صدیوں کے ساتھ نے ان میں بہت سی مشترک خصوصیات پیدا کر دی ہیں۔ ان زبانوں اور اردو کا تعلق قدیم زمانے سے قائم ہے البتہ اختلاط و ارتباط کے لیے انہیں ساز گار فضا قیام پاکستان کے بعد میسر آئی۔ اردو جب اس ملک کی قومی اور تعلیمی زبان بنی تو بہت سی آوازیں اس کے خلاف بھی اٹھیں اور آج تک اٹھ رہی ہیں لیکن لینگوا فرینکا کی حیثیت سے اسے اپنانے میں کسی قوم یا صوبے کا کوئی اختلاف موجود نہیں بلکہ سب اسے انتہائی محبت سے آپس میں بہ طور رابطہ کے استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں ان زبانوں کے باہمی میل ملاپ نے نہ صرف اردو بلکہ ان تمام زبانوں کے بنیادی کینڈے میں کئی طرح کی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں اس کی وجوہات پر ڈاکٹر جمیل جالبی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ”پاکستان کی سب زبانوں میں چند باتیں مشترک ہیں ایک تو یہ کہ اسلامی عقائد اور ان کو بیان کرنے والے الفاظ کا ذخیرہ سب زبانوں میں مشترک ہے۔۔۔ اردو میں کم و بیش پانچ سو سے زیادہ بنیادی الفاظ ہمارے اظہار کا وسیلہ ہیں یہ الفاظ پاکستان کی سب زبانوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔“ (۱۶)

پاکستان بننے کے بعد یہ زبانیں محبت اور یگانگت کے جذبوں کے تحت ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ پاکستان جغرافیائی حدود کے اعتبار سے ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس لیے چاروں صوبے فاصلاتی طور پر ایک دوسرے سے دور نہیں ان کے مکینوں کے دل بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں دھڑکتے۔ چناں چہ اس ملک کے معرض وجود میں آنے کے بعد قومی

زبان کا علاقائی زبانوں سے مذہبی، علمی، سیاسی، سماجی، معاشرتی اور ادبی ہر سطح پر اختلاط وارتباط کا نا تمام سلسلہ شروع ہوا۔ اردو نے لینگوا فرینکا اور بین الاقوامی زبان ہونے کے باعث علاقائی زبانوں پر ہمہ گیر اثرات مرتب کیے۔ جب کہ علاقائی زبانوں کے توسط سے ان کے مخصوص خطوں اور ان کی قوم کا تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور ادبی ورثہ اپنے تمام تر رنگ و آہنگ کے ساتھ اردو میں شامل ہو گیا۔ جس سے اردو جو کسی خاص قوم اور خطے کی زبان نہ تھی کئی اقوام اور کئی خطوں کی زبان بن گئی۔ کئی ثقافتوں کی مزاج آشنا ہوئی اور مختلف جذبات و احساسات سے مالا مال ہوئی۔ ان ہی اثرات کی بناء پر اسے "پاکستانی اردو" کا نام دیا گیا۔ ڈاکٹر ضیاالرحمن لکھتے ہیں:

> "اردو پاکستانی و علاقائی ثقافتوں، علاقائی زبانوں اور بولیوں سے استفادہ کر کے اپنی الگ شناخت کا موجب بنی ہے۔ یہ عمل نہ صرف اردو زبان و ادب کو تازہ خون فراہم کرنے کا باعث ہوا ہے بلکہ بہ حیثیت زندہ زبان اردو کے روشن مستقبل کی دلیل بھی ہے۔"(۱۷)

یہ نئی اردو اپنی قدیم ہندوستانی ساخت میں بہت کچھ بدل چکی ہے اس کا ایک اپنا مزاج، اپنی لفظیات، اپنی ثقافت اور اپنا لب ولہجہ ہے جو اس نے کئی پاکستانی زبانوں سے مستعار لیا ہے لیکن اس طرح ضم و جذب کر لیا ہے کہ اب اسی کا حصہ ہو گیا ہے اور اب انہی نئی خصوصیات کی بناء پر یہ اردو الیکٹرونک میڈیا کے اس دور میں دنیا بھر میں اپنی ایک خاص شناخت رکھتی ہے اور بہت تیزی سے قبولیت عام حاصل کر رہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خلیل صدیقی، "لسانی مباحث"، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۱۹۹۱ء، ص ۳۸۰

۲۔ سید مظہر جمیل، "اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کا ربط باہم"، مشمولہ، "اسالیب"، اسالیب پبلی کیشنز، کراچی، کتابی سلسلہ۔۱، نومبر۔دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۴۔

۳۔ سیمی نغمانہ، ڈاکٹر، "بلوچستان میں ابلاغ عامہ۔ آغاز و ارتقاء(۱۸۸۸ء۔۲۰۰۵ء)"، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۷۹

۴۔ عبدالرحمن براہوئی، ڈاکٹر: "براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ"، براہوئی اکیڈیمی، کوئٹہ، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۴

۵۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر: "بلوچی اور اردو کے لسانی و ثقافتی روابط"، مشمولہ، پاکستان میں اردو، جلد ۲: بلوچستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص ۲۱۹

۶۔ امتیاز علی خان عرشی: "اردو میں پشتو کا حصہ"، پشتو اکیڈیمی، پشاور، ۱۹۶۰ء، ص ۴۴

۷۔ خالد خان خٹک، ڈاکٹر: "سندھی، پشتو، اردو کے لسانی روابط"، پشتو اکیڈیمی، پشاور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۳۲

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: "تاریخ ادب اردو"، لمجلس ترقی ادب، جلد اول، طبع پنجم، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۷۰۳

۹۔ احمد پراچہ: ''سرحد میں اردو (ایک اجمالی جائزہ)''، مشمولہ، پاکستان میں اردو، جلد ۳: اباسین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۴۱
۱۰۔ مہر عبدالحق، ڈاکٹر: ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق''، اردو اکادمی، بہاول پور، ۱۹۶۷ء، ص ۶۹۱
۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ''پنجاب میں اردو''، مشمولہ، پاکستان میں اردو، جلد ۴: پنجاب،، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص ۱۷۴
۱۲۔ غلام مصطفی تبسم، صوفی: ''پنجابی میں اردو''، مشمولہ، پاکستان میں اردو، مرتبہ، محمد طاہر فاروقی، خاطر غزنوی، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۶۵ء، ص ۱۴۶
۱۳۔ شرف الدین اصلاحی: ''اردو سندھی کے لسانی روابط: تاریخ کی روشنی میں''، پاکستان میں اردو، جلد ۱: سندھ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۶۴
۱۴۔ ایضاً ص ۶۲
۱۵۔ میمن عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر: ''لسانیات پاکستان''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲، ص ۱۷۱
۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ''بلوچستان کی اردو روایت''،، مشمولہ، پاکستان میں اردو، جلد ۲: بلوچستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۸۳
۱۷۔ ضیاء الرحمن، ڈاکٹر: ''پاکستانی اردو اور بلوچستان''، مشمولہ، پاکستانی اردو کے خدوخال، مرتبہ، ڈاکٹر عطش درانی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۱۵۷